الوہیتِ مریم کا مسئلہ

(جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم، اے، ایل، ایل، بی، بی، ٹی، ایچ، رجسٹرار امتحانات
عربی و فارسی یو، پی)

صدق جدید (۳۱ اکتوبر ۱۹۵۰ء) میں "الوہیت مریم" کے عنوان سے حسب ذیل تبصرہ دیکھنے میں آیا
"اور اس سے (بی بی مریم کے رفع آسمانی کے اعلان سے) قرآن مجید کے اس بالواسطہ بیان پر مہر تصدیق لگ گئی کہ مسیحیوں کے عقیدے میں حضرت عیسٰی کے ساتھ ان کی والدہ ماجدہ بھی الوہیت میں شریک اور مرتبہ معبودیت پر فائز ہیں! مسیحی مناظر دتوں اس الزام سے انکاری رہے۔ خدا کی شان کہ بیسویں صدی کے وسط میں آکر اُن کے اس عقیدے کا ظہور اس شان کے ساتھ ہوا!"

اس سلسلے میں دو باتیں عرض کرتا ہوں:

اولاً: ۱۹۵۰ء کا پاپائی اعلان حسب تصریح "صدق جدید" صرف بی بی مریم کے رفع آسمانی پر مشتمل ہے۔ نفس اعلان "صدق جدید" کے لفظوں میں محض اتنا ہے

"مریم کنواری بھی اسی جسدِ ظاہری کے ساتھ آسمان پر اُٹھالی گئی تھیں"

لیکن مجرد رفع آسمانی باتفاق فریقین (نصاریٰ و اہل اسلام) الوہیت کو مستلزم نہیں ہے۔ حضرت ادریس علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے قرآن مجید میں مذکور ہے

"واذکر فی الکتاب ادریس انه کان صدیقاً نبیاً۔ ورفعنٰه مکاناً علیاً" (مریم ۵۷-۵۸)

مگر اہلِ اسلام میں سے کوئی اس سے اُنھیں سوائے تشریف وکرامت کے کسی الوہیت کی صفت سے متصف نہیں کرتا۔ اسی طرح توریت میں ہے:-

"AND ENOCH WALKED WITH GOD: AND HE WAS

NOT, FOR GOD TOOK HIM". (GEN 5.24).

اسی طریقہ سے "ثانی کتاب الملوک" میں "ایلیاہ نبی کے آتشیں رتھ میں بیٹھ کر آسمان پر چلے جانے کا ذکر ہے:

"AND IT CAME TO PASS, AS THEY STILL WENT ON,
AND TALKED, THAT BEHOLD, THERE APPEARED
A CHARIOT OF FIRE, AND HORSES OF FIRE, AND
PARTED THEN BOTH AS-UNDER, AND ELIJAH
WENT UP BY A WHIRLWIND INTO HEAVEN"
(II KING-2.11)

اسی طرح انجیل کے اندر حضرت ادریس علیہ السلام کے رفع آسمانی کی واضح الفاظ میں توضیح و توجیہ کی گئی ہے

"BY FAITH ENOCH WAS TRANSLATED THAT
HE SHOULD NOT SEE DEATH, AND WAS NOT
FOUND, BECAUSE GOD HAD TRANSLATED HIM:
FOR BEFORE HIS TRANSLATION HE HAD THIS
TESTIMONY, THAT HE PLEASED GOD". (HEB.
11.5)

لیکن حضرت ادریس اور ایلیا نبی کی الوہیت کے نہ یہود قائل ہیں نہ نصاریٰ۔ بلکہ نصاریٰ تو واضح لفظوں میں اس تشریف و کرامت کو حضرت ادریس علیہ السلام کے ایمانِ کامل اور رضائے قدوس کی رضا جوئی کا نتیجہ بتاتے ہیں۔ معلوم نہیں اس "رفع آسمانی کے اعلان" کو کس طرح تالّہ و اتصاف بالالوہیت کے مترادف سمجھ لیا گیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس اندازِ استدلال سے نصاریٰ پر تو کوئی حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ البتہ مسلمانوں پر نصاریٰ کی حجت قائم کرانے کا سامان ضرور فراہم ہو گیا۔ آخر تو ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کو قتل و صلیب سے پیشتر ہی آسمان پر اٹھا لیا تھا:

"بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزا حکیما"

لہذا اگر "رفع آسمانی" کو اتصاف بالالوہیت کا مستلزم سمجھا گیا تو پھر استشہاد بالقرآن کے ذریعے عیسائی مسلمانوں کو اس کفر کے قائل ہونے کا الزام دے سکتے ہیں جس کا ماشاء وکلا ہم میں سے کوئی قائل نہیں۔ بہرحال یا بانی اعلان سے بھی وہ اشکال دمسیحی مناظروں کا الوہیت مریم کے عقیدے سے انکار جس کی جانب مولانا نے اشارہ کیا تھا علیٰ حالہ قائم رہتا ہے ہاں ہم پر نصاریٰ کی حجت کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔

ثانیاً: ممکن ہے جہاں تک مولانا دریابادی کی تحقیقات کا تعلق ہے مسیحی مناظر اس الزام سے (الوہیت مریم کے الزام سے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) بعد کے زمانہ میں انکاری رہے ہوں۔ لیکن اُن کے اس ارشاد کے ساتھ کہ

"بیسویں صدی کے وسط میں آکر ان کے اس عقیدے کا ظہور اس شان کے ساتھ ہوا"

اتفاق کرنے سے میں خود کو قاصر پاتا ہوں کیونکہ

(ا) نہ قرائن اس کے مؤید ہیں، اور

(ب) نہ واقعات اس کے شاہد۔

(۲) واقعہ یہ ہے کہ "الوہیت مسیح" کے ساتھ "الوہیت مریم" کا عقیدہ بھی نزول قرآن کے وقت عام طور پر نصاریٰ میں شائع و ذائع تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو مسیحی مناظر اور ان کی شہ پر کفار، مشرکین اور منافقین و یہود مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر دیتے اور غالباً صلیبی جنگوں کی نوبت نہ آتی۔ یہ واقعہ تو عام طور پر مشہور ہے کہ جب آیہ کریمہ "اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْن" نازل ہوئی تو عبداللہ ابن زبعری اس تیقن کے ساتھ جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں پہنچا کہ آج مناظرے میں ہرا کر اٹھوں گا اور اس کے بعد پھر (اس کے زعم باطل میں) اسلام ختم ہے! لیکن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اعتراض کا برجستہ جواب دیا جو زبانِ عرب کے مسلمہ اصول و قواعد پر مشتمل تھا۔ اس واقعے سے ظاہر ہے کہ مخالفین اسلام کی کسی کمزوری کو بخشنے والے نہ تھے، اگر قرآن میں کوئی بات واقعات کے خلاف دیکھ پاتے تو بات کا بتنگڑ

بنا دیتے اور مقاتلہ و مناضلہ کی نوبت نہ آتی۔ ہو سکتا ہے کہ قدیم مشرکانہ تثلیث کو بعد میں فلسفیانہ تثلیث کا رنگ دیدیا ہو۔ چنانچہ زمخشری نے آیۂ کریمہ "وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۔۔۔ الآیہ کی تفسیر میں لکھا ہے:

"انھم یقولون ھو جوھر واحد ثلثۃ	عیسائی کہتے ہیں کہ ذات باری جوہر واحد ہے جس کے
اقانیم، اقنوم الاب، واقنوم الابن و	تین اقانیم ہیں: اقنوم پدر، اقنوم پسر اور اقنوم
اقنوم روح القدس، وانھم یریدون	روح القدس۔ اقنوم پدر سے ان کی مراد ذات
باقنوم الاب الذات، وباقنوم الابن العلم	باری ہے، اقنوم پسر سے علم باری اور اقنوم
وباقنوم روح القدس الحیٰوۃ"	روح القدس سے حیات باری۔

اور اس فلسفیانہ تثلیث نے اس درجہ شہرت و اشاعت حاصل کر لی کہ "الوہیت مریم" کا قول بالکل ہی غیر معروف ہو گیا۔ چنانچہ امام رازیؒ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے

"فنقول ان احداً من النصاریٰ لم یذھب	پس ہم کہتے ہیں کہ نصاریٰ میں سے کوئی شخص
الی القول بالٰھیۃ عیسیٰ و مریم	الوہیت باری تعالیٰ کے بجائے الوہیت عیسیٰ و
مع القول بنفی الٰھیۃ اللّٰہ تعالیٰ،	مریم کا مذہب نہیں رکھتا۔ پس نصاریٰ کی جانب
فکیف یجوز ان ینسب ھذا القول	اس قول کا انتساب کس طرح جائز ہو سکتا ہے
الیھم مع احد منھم لم یقل بہ"	جب کہ ان میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔

لیکن کسی بات کا اقرار نہ کرنا ایک امر ہے اور انکار کرنا امر دیگر۔ اقرار نہ کرنے کی وجہ آگے آ رہی ہے اور انکار نہ کر سکنے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ امر واقعہ تھا جس کا انکار مکابرۂ محض ہوتا۔ چنانچہ امام رازیؒ سے تین سو سال قبل امام ابن جریر طبریؒ نے اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا تھا

"حدثنا محمد بن الحسین قال حدثنا	ہم سے محمد بن الحسین نے اور اُن سے احمد بن مفضل
احمد بن مفضل قال حدثنا اسباط	نے حدیث بیان کی کہ اُن سے اسباط نے سدی
عن السدی: "وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْن	سے (کی بیان کی ہوئی) یہ حدیث آیت کریمہ

مریم ءانت قلت للناس اتخذونی	واذ قال اللہ یٰعیسی ابن مریم ءانت
وامی الھین من دون اللہ "قال	قلت للناس اتخذونی وامی الہین
لما رفع اللہ عیسی ابن مریم الیہ	من دون اللہ کی تفسیر میں بیان کی: کہ جب
قالت النصاریٰ ما قالت وزعموا	اللہ تعالیٰ نے عیسٰی بن مریم کو اٹھا لیا تو نصاریٰ
ان عیسیٰ امرھم بذلک ...	نے جو وہ کہتے ہیں اُن کی شان میں کہا اور یہ گمان
....	کیا کہ خود حضرت عیسیٰؑ نے انھیں اس بات کا
....	حکم دیا ہے۔

یعنی سُدّی کے زمانہ تک نصاریٰ میں یا کم از کم ان مسیحیوں میں جو سُدّی کے پیش نظر تھے' دو عقیدے شائع و ذائع تھے۔

۱۔ الوہیت مسیح اور الوہیت مریم کا عقیدہ (قالت النصاریٰ ما قالت)' اور

ب۔ یہ عقیدہ کہ "ماں بیٹے کو خدا ماننے کا حکم" خود (بقول نصاریٰ) حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ہی نے انھیں (نصاریٰ کو) دیا تھا

سُدّی کی حیثیت محدثین کے نزدیک جو کچھ بھی ہو یہاں وہ اہل کتاب کے ایک گروہ کا عقیدہ نقل کر رہے ہیں اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اُن کے اس نقل و حکایت میں شبہہ کیا جائے۔ پس یہ تاریخی واقعہ ہے کہ کم از کم نزول قرآن کے وقت سے سُدّی کے زمانہ تک علی الاقل ایک گروہ نصاریٰ "الوہیت مریم" کا عقیدہ رکھتا تھا۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس عقیدہ (الوہیت مریم) کا ظہور بیسویں صدی کے وسط میں ہوا۔

(ب) لیکن بدقسمتی سے ہمارے یہاں ایک احساس کمتری عام ہے۔ جب تک یورپ سے کسی امر کی تائید نہ ہو اسے حق نہیں سمجھا جاتا۔ اس سلسلے میں دو مضمونوں کا حوالہ دینا مستحسن ہے یعنی "یونانی منطق کے قدیم عربی تراجم" اور "فارابی کی منطق"۔ ان میں (معارف جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۴۳۰ اور معارف دسمبر ۱۹۵۵ء ص ۴۲۷۔ ۴۳۶) ضمناً اس عقیدے کی تاریخ آگئی ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے:

"۳۲۳ء میں قسطنطین اعظم روم کا بادشاہ ہوا اور کچھ دن بعد مسیحیت ملکی مذہب قرار پائی۔ اب مسیحیت اور

يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها. زاد في غير رواية البخاري: وفؤاده الذي يعقل به ولسانه الذي يتكلم به" فمن اراد العمل على ذلك فعليه بالذكر بالغدو والآصال وان لا يكون من الغافلين فيما بين ذلك عند تعلقه في الاشتغال وافضل الذكر لا اله الا الله۔

میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اُس کی آنکھیں جن سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں جن سے وہ چلتا ہے۔ بخاری کی اس روایت کے سوا دوسری روایت میں اتنا زیادہ ہے: میں اس کا دل ہو جاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے اور اس کی زبان جس سے وہ کلام کرتا ہے"۔ اب جو شخص اس پر عمل کرنا چاہے وہ صبح و شام ذکر کیا کرے اور اپنے کاروبار میں مشغول ہو کر غافلوں میں نہ ہو جائے اور افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مجرّد ہے اور کسی طرح کے بکھیڑوں میں مبتلا نہیں ہے تو بس وہ ذکر ہی کیا کرے اور اگر "اہل الاسباب" سے ہے یعنی دنیا کے کاروبار میں مبتلا ہے تو وہ اپنی فرصت اور فراغت کے لحاظ سے اوراد و وظائف مقرر کر لے۔ اس کے بعد آپ نے سلسلۂ عالیہ قادریہ کے اوراد و وظائف کا ذکر کیا ہے۔ ہم یہاں ان کو نقل کرتے ہیں کہ یہ بھی ذکر کے وسیع معنی کے اعتبار سے اذکار ہی میں شامل ہیں اور عہدِ حاضر کے مشغول انسان کے لئے نعمتِ عظمیٰ ہیں جو اس کے مضطرب ذہن کو سکون اور پریشان قلب کو طمانیت اور اس کی فاقہ زدہ روح کے لئے غذائے لطیف فراہم کرتے ہیں، ورنہ وہ تو اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کے گرداب میں غرق رہتا ہے اور ذکرِ رحمٰن سے غافل ہو کر شیطان ہی کے دام میں گرفتار رہتا ہے اور نہیں جانتا کہ:

عشوۂ ابلیس از تلبیسِ تست   در تو یک یک آرزو ابلیسِ تست

ھ ایضاً ص ۲ تا ص ۲۷۔

چوں کنی یک آرزوئے خود تمام   در تو صد ابلیس زاید والسّلام!

ایسا انسان گو بظاہر زندہ لیکن بباطن مردہ ہے اور اس پر نماز جنازہ اب بھی جائز ہے:

ہر آں ونے کہ دریں حلقہ زندہ نیست بذکر   بر دچو مردہ بفتوائے من نماز کنید!

سلسلۂ قادریہ کے اوراد و وظائف اوسط درجہ میں یہ ہیں[۱]:

(۱) لا الٰہ الا اللہ کا پڑھنا ہر صبح و شام اور تہجد کی نمازوں کے بعد ایک ایک ہزار مرتبہ، اور عذر کے وقت جس قدر آسان ہو۔

(۲) استغفار ایک سو مرتبہ، ان ہی تینوں نمازوں کے بعد۔ اگر ہر روز نماز فجر کے بعد ستائیس بار مومنین و مومنات کے لئے استغفار کر لیا کرے تو اس حدیث پر عمل ہو جاتا ہے: "من استغفر للمومنین والمومنات کل یوم سبعاً و عشرین کان من الذین یستجاب لھم و یُرزق بھم اھل الارض"۔ "یعنی جو شخص مومنین و مومنات کے لئے ہر روز ستائیس مرتبہ استغفار کرے وہ ہوگا ان میں سے جن کی دعا قبول ہوتی ہے اور جن کی وجہ سے اہلِ زمین اپنی روزی پاتے ہیں"۔

اور اس حدیث پر بھی عمل کرے:

من استغفر اللہ دُبر کل صلوٰۃ	جو شخص مغفرت مانگے اللہ سے بعد ہر نماز تین مرتبہ
ثلث مرات فقال استغفر اللہ الذی	اور کہے: استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو
لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ	الحی القیوم واتوب الیہ، تو اس کے سارے
غُفِرتْ لہ ذنوبہ وان کان قد	گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ کہ وہ جہاد سے
فرّ من الزحف	بھاگا ہو۔

(۳) بعد نماز فجر دس مرتبہ کہے: لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی و یمیت بیدہ الخیر وھو علی کل شیئٍ قدیر۔ اگر ہر فرض نماز کے بعد پڑھے تو بہتر ہے۔

(۴) ہر صبح و عصر کے فرض کے بعد دس دفعہ یہ درود پڑھا کرے: اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ عدد خلقک بدوام ملک، دسویں دفعہ ان الفاظ کا اضافہ کرے وعلیٰ

---

[۱] ایضاً ص۲ تا ص۲

جمیع الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہم وصحبہم والتابعین وعلی اہل طاعتک اجمعین من اہل السمٰوات واہل الارضین وعلینا معہم برحمتک یا ارحم الراحمین عدد خلقک ورضا نفسک وزنۃ عرشک ومداد کلماتک کلما ذکرک الذاکرون وغفل عن ذکرک الغافلون۔

اگر ہر فرض کے بعد دس مرتبہ ورد کرلے تو اور بہتر ہے۔

(۵) ہر نماز فرض کے بعد دس دفعہ سورۂ اخلاص پڑھا کرے

(۶) چاشت کی دو رکعت پڑھے اور ان میں سورۂ والشمس وضحٰہا اور واللیل اذا یغشیٰ پڑھے اور ان کے بعد دس بار:

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم عدد خلق اللہ بدوام اللہ

(۷) سورۂ یٰسین اور سورۂ تبارک ہر صبح و شام پڑھے۔

(۸) مغرب کو بعد نماز سورۂ الم السجدہ پڑھے۔

(۹) رات میں اگر سورۂ یٰسین پڑھنے کا وقت نہ پائے تو الم سجدہ اور تبارک ضرور پڑھے۔

(۱۰) نماز مغرب کے بعد چھ رکعت نفل اوابین کی پڑھیں۔ مغرب کی دو رکعتوں کے بعد یہ کہے:

مرحباً بملائکۃ اللیل مرحباً بالملکین الکریمین الکاتبین اکتبا فی صحیفتی اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ واشہد ان الجنۃ حق والنار حق والحوض حق والشفاعۃ حق والقبر حق والسوال حق والحشر حق والحساب حق والشفاعۃ حق والصراط حق والمیزان حق، واشہد ان الساعۃ اٰتیۃ لاریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور۔ اللّٰہم انی اودعک ہذہ الشہادۃ لیوم حاجتی الیہا، اللّٰہم احطط بہا وزری واغفر بہا ذنبی وثقل بہا میزانی واوجب لی بہا امانی وتجاوز بہا عنی برحمتک یا ارحم الراحمین۔

پھر دو رکعتیں حفظ الایمان کی نیت سے اوابین کے ساتھ پڑھیں اور سلام کے بعد اس طرح دعا کریں:

اللّٰھم سدّدنی بالایمان واحفظہ علیّ فی حیاتی وعند وفاتی وبعد مماتی۔

اس کی وصیت شیخ محی الدین قدس سرہ نے کی ہے۔ چنانچہ وہ اپنی تصنیف الفتوحات المکیہ کے باب الوصایا میں فرماتے ہیں کہ "اس نماز کی ہر رکعت میں سورۂ اخلاص چھ مرتبہ اور سورۂ فلق اور سورۂ ناس ایک ایک دفعہ پڑھے"۔

پھر دو رکعتیں استخارہ کی نیت سے پڑھے جن کو اولیاء اللہ ہر روز اعمال شب و روز کے لئے پڑھا کرتے ہیں۔ اس نماز کے بعد دعائے استخارہ پڑھے جو یہ ہے: اللّٰھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک من فضلک العظیم، فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب، اللّٰھم انی لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا ولا موتا ولا حیوۃ ولا نشورا ولا استطیع ان اٰخذ الا ما اعطیتنی ولا ان اتقی الا ما وقیتنی، اللّٰھم فقنی لما تحب وترضی من القول والفعل والعمل فی عسر وعافیۃ، اللّٰھم خرلی واخترلی ولا تکلنی الی اختیاری، اللّٰھم اجعل الخیرۃ فی کل قول وعمل اریدہ لی فی ھذا الیوم واللیلۃ

اس کے متعلق شیخ اکبرؒ کا ارشاد ہے کہ "جربناذلک فوجدنا فیہ کل خیر" اس کو ہم نے تجربہ کیا ہے اور اس میں سراسر خیر ہی پایا ہے۔

(۱۱) پنجگانہ نماز کے ہر فرض کے بعد مندرجہ آیات وادعیہ ضرور پڑھا کریں۔

(۱) اللّٰھم انت السلام ومنک السلام والیک یرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام تبارکت ربنا وتعالیت یاذا الجلال والاکرام

(۲) سورہ فاتحہ۔

(۳) والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم (البقرۃ ۱۶۴)

(۴) اللّٰھم انی اقدم الیک بین یدی ذلک کلہ، اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم۔۔۔

وھوالعلی العظیم (آیۃ الکرسی، البقرہ ۳۴ع)

۷) اٰمن الرسول تا آخر سورہ (البقرہ ع ۴۰)

۷) شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم قائماً بالقسط لا الٰہ الا ھو العزیز
الحکیم ان الدین عند اللہ الاسلام (آل عمران ع ۲۲) اس کے بعد کہے: وانا اشہد بما شہد اللہ بہٖ استودع
اللہ ھذہ الشہادۃ وھی لی عند اللہ ودیعۃ

۷) قل اللّٰھم مالک الملک ... بغیر حساب (آل عمران ۳۶)

۷) اللّٰھم یا رحمٰن الدنیا والاٰخرۃ ورحیمھما رحمانی انت ترحمنی، فارحمنی
برحمۃ من عندک تغنینی بھا عن رحمۃ من سواک

۷) سورہ اخلاص، سورہ فلق، سورہ ناس

۷) سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳ بار، اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھے:

۱) لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت بیدہ الخیر
وھو علیٰ کل شیٔ قدیر

۱) اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا راد لما قضیت ولا ینفع ذا الجدّ
منک الجد، لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

۱) ان اللہ وملائکتہ یصلّون علی النبیّ یا ایھا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا
تسلیما (الاحزاب ۶۲)

۱۰) چند درود شریف کی تعلیم ہے

۱) یہ دعا مانگے جو چاہے اور ختم کرے اس آیت کے پڑھنے پر: سبحان ربک رب العزۃ
عما یصفون، وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔

۷) پھر لا الٰہ الا اللہ دس مرتبہ پڑھے۔

نمبر ۱۱، اوراد و دعیہ کے نام سے مشہور اور متداول ہیں۔

(۱۲) ہر روز بعد نماز صبح کے پڑھے:

i) یا اللہ یا واحد یا احد یا جواد انفحنی منک بنفحۃ خیر، انک علی کل شئ قدیر ۔۔۔ (۱۱) مرتبہ

اس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو جمعرات سے شروع کیا جائے اور پہلے حضرت غوث الثقلین قدس سرہ اور مشائخ سلسلہ سابقین ولاحقین کے نام پر فاتحہ کا ثواب پہنچایا جائے۔ کما شرطہ المشائخ۔

ii) یا عزیز (۴۱) بار

iii) یا لا الٰہ الا اللہ الرفیع ۔ پندرہ دفعہ

iv) یا قیوم فلا یفوت شئ من علمہ ولا یؤدہ ۔۔۔ ستائیس مرتبہ

v) سبحان اللہ بحمدہ وسبحان اللہ العظیم ۔۔۔ سو دفعہ

(۱۳) عندالاستطاعت: روزانہ سورۂ اخلاص ایک ہزار بار پڑھا کرے، ہزار بار درود، اور ہزار بار: لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر، اور ہر روز صبح کو ہزار بار سبحان اللہ بحمدہ۔

یہ ہے ان اذکار و اوراد کا خلاصہ جو تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب کے لئے طریقہ علیہ قادریہ قدس اللہ اسرارہم میں معمول ہیں۔ ان کے علاوہ امام الطریقہ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی کتاب مستطاب فتوح الغیب کا مطالعہ اور اس پر عمل مثمر فوائد عظیم ہوتا ہے۔

۲) اذکار سلسلہ علیہ نقشبندیہ قدس اسرارہم

اس طریقہ کے امام حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی بخاریؒ ہیں۔ آپ کی پیدائش محرم ۹۱۸ھ میں ہوئی۔ ہندوستان میں اس طریقہ کی اشاعت دو جہت سے ہوئی ہے: (۱) خواجہ محمد باقیؒ (۲) امیر ابوالعلیٰ اور ماوراء النہر میں مولانا خواجگیؒ کی جہت سے مشہور ہے۔ ان تمام شعبوں میں رسائل تصوف اور اشغال قوم کے بیان کی رو سے سب سے زیادہ مشہور شعبہ جامیہ ہے۔ اب خواجہ محمد باقیؒ کی جہت سے اس کے بہت شعبے ہیں اور ان میں سے دو شعبے زیادہ مشہور ہیں: شعبۂ شیخ محمد معصومؒ اور شعبۂ شیخ آدم بنوریؒ

متقدمین نقشبندیہ کے ہاں طریقۂ ذکر نفی و اثبات یہ ہے کہ فرصت کو غنیمت جانے، وقت کو ضائع نہ کرے۔

ہر چیز کہ از تو گم شود غنیمت می داں — زنہار تو وقت خویش را گم نہ کنی

قلب کو خارجی تشویشات سے خالی کرے، جیسے لوگوں کی گفتگو سننا، اشیائے خارجیہ کی طرف توجہ

صفائے دل طلبی چشم از جہاں بر بند — کہ رخنہ ایست کز ینجا غبار می آید

اور باطنی تشویشات سے بھی قلب کو فارغ کرے جیسے زیادہ بھوک، غصہ، سیری مفرط یا کسی قسم کا درد

یک لحظہ ز شہوتے کہ داری برخیز!

پھر اپنی موت کو یاد کرے اور تصور میں اس کو سامنے لائے اور حق تعالیٰ سے ان گناہوں کی تضرع کے ساتھ مغفرت چاہے جو اس سے سرزد ہوئے ہیں، پھر اپنی زبان کو تالو سے لگائے اور دونوں لبوں اور آنکھوں کو بند کرے اور سانس کو اپنے پیٹ میں حبس کرے اور زبانِ قلب سے کلمۂ لا کو ناف سے کھینچتا ہوا دماغ تک لے جائے اور الٰہ کو داہنے شانے پر لائے اور پھر وہاں سے بائیں طرف کلمہ الا اللہ کی فضائے قلب پر قوت کے ساتھ ضرب لگائے، اس طرح کہ آثارِ ضرب تمام اعضا پر ظاہر ہوں۔ صورت اس ذکر کی حرف لا کی سی ہے:

ذاکر اپنی خودی کی نفی کرے اور حق تعالیٰ کا اثبات کرے اور لسانِ قلب سے کہے الٰہی انت مقصودی و رضاک مطلوبی! سالک کے جسم میں کوئی حرکت نہ ہو، ہر حبس میں اذکار کا خیال رکھے اور سانس کو چھوڑنے کے وقت محمد رسول اللہ کہے۔ جس دم کے ساتھ اس ذکر کو اولاً ایک بار کہے،

پھر تین بار، اور اس طرح درجہ بدرجہ چند روز کی مشق میں طاق عدد کی رعایت کے ساتھ اکیس بار تک پہنچائے جو شخص اس طرح ذکر کو اکیس بار تک پہنچا تا ہے اور اس کے باوجود اس کے لئے جذب و انصراف باطن دلی اللہ کا دروازہ نہیں کھلتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ ہر ذکر کو شرائط مذکورہ کے ساتھ شروع کرے اور اکیس بار تک پہنچائے۔ نفی و اثبات کے ذکر میں شرط اعظم ملاحظہ نفی معبودیت یا نفی مقصودیت یا نفی وجود ہے غیر اللہ سے اور اثبات ان کا ہے بروجہ تاکید حق تعالیٰ کے لئے۔

مشائخ نقشبندیہ کا تجربہ ہے کہ حبس دم حرارت باطن، جمعیت عزیمت، ہیجان عشق اور قطع وساوس میں عجیب خاصیت رکھتا ہے۔ حبس دم کی مشق بتدریج کی جانی چاہیئے تاکہ ذاکر پر گراں ہو اور خشکی دماغ کا مرض پیدا نہ ہو جائے۔ حبس دم سے ان کی ہمیشہ مراد غیر مفرط ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ یہاں اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ نقشبندیہ کے حبس دم کو جوگیوں کا بتلایا ہوا حبس دم ہرگز نہ سمجھو وہ تو حصر نفس ہے۔ حبس دم مفرط ہے۔ اپنی ایک رباعی میں اس فرق کو واضح کرتے ہیں۔

حاشا کہ اکابر رہ جوگیہ روند　　اثبات مقالات رَہا بین بکنند
حبس نَفَس و حصر نفس دارد فرق　　حبس نفس ست انچہ نشا نش بدہند

اسی طرح ان کے تجربہ میں عدد طاق کی رعایت (جسکو وقوف عددی کہا جاتا ہے) ذکر میں عجیب و غریب جامعیت کی حامل ہے۔ ہر ذاکر کو اس کا تجربہ بہت جلد ہو جاتا ہے۔ مگر ذرا صبر و استقامت کی ضرورت ہے

طلبگار باید صبور و حمول　　کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول!

نقشبندیہ کے ہاں ذکر نفی و اثبات دو ضربی اور چار ضربی بھی کیا جاتا ہے۔ اس ذکر کے وقت وہ اپنے داہنے طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بائیں طرف اپنے پیر و مرشد کو اور دل کے روبرو رب العزت کو تصور کرتے ہیں اور بعض کا ارشاد ہے کہ داہنے بائیں اور روبروئے قلب وجود مطلق ہی کا تصور کرنا چاہیئے اور یہی سب سے بہتر ہے۔

بچہ مشغول کنم دیدہ و دل را کہ مدام　　دل ترا می طلبد، دیدہ ترا می خواہد

نقشبندیہ کا ایک اور ذکر، ذکر مشی الاقدام کہلاتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر سالک نے میانہ روی

اختیار کی ہے تو ہر قدم پر اللہ اللہ کہے اور اگر تیز چل رہا ہے تو اِلاّ اللہ اِلاّ اللہ کہے، اور اگر آہستہ چل رہا ہے تو داہنے قدم پر لاؔ اور بائیں قدم پر اِلٰہ اور پھر داہنے قدم پر اِلاّ اور بائیں قدم پر اللہ کہا جائے بعض کا خیال ہے کہ بہتر یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ اللہ ہی کہتا رہے تاکہ ذاکر ایک ہی کا عادی ہو جائے اور اس کا قلب پراگندہ نہ ہو۔

آن کہ در سرائے نگار است فارغ است از باغ و بوستاں و تماشائے لالہ زار

مشائخ نقشبندیہ کا ایک ذکر اثبات مجرّد بھی ہے یعنی ذکر اسم جلالہ اللہ، بدوں نفی و اثبات کے کہا جاتا ہے کہ یہ ذکر متقدمین نقشبندیہ کے ہاں نہ تھا حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ یا ان کے قریب العصر مشائخ کرام کا عمل ہے۔ اس پر اتفاق ہے کہ ذکر نفی و اثبات سلوک کے لئے مفید ہے اور اثباتِ مجرد جذب کے لئے مفید تر۔

بعض کے ہاں ذکر اثبات مجرّد کا طریقہ یہ ہے۔ اللہ کے لفظ مبارک کو سالک اپنی ناف سے بشدّتِ تمام نکالے اور اس کو کھینچتا ہوا اپنے دماغ کی جھلّی تک پہنچائے حبس دم کے ساتھ، اور بتدریج حبس دم کی مدت میں اضافہ کرتا جائے اور ذکر میں زیادتی۔ بعض ایک دم میں ہزار مرتبہ ذکر کر لیتے ہیں[1]۔

طریقہ نقشبندیہ کے ایک عظیم المرتبت رکن حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رح ہیں[2]۔ آپ کے بعد سے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کہلانے لگا۔ آپ کی ذات بابرکات اُمت محمدیہ کے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے بقول شاہ ولی اللہ رح "آپ کی ذات اس الف ثانی کے لئے ارہاص (بنیاد) ہے اور آپ کا اُمت پر بڑا احسان ہے جس کا بدلہ نہیں ہو سکتا، آپ کی ولایت کا منکر فاسق ہے"۔ جس طرح اولوالعزم انبیاء نے نئی شریعت پیش کی ہے اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی رح نے بھی جدید معارف اسرار جدید حالات و مقامات علم تصوف میں پیش فرمائے ہیں جو زمانہ نبوت کے بعد سے آپ کے زمانہ تک کسی صوفی عالی مقام نے نہیں ظاہر فرمائے اور یہی دلیل آپ کے مجدد الف ہونے کی سمجھی جاتی ہے۔ خود آپ کے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ رح نے آپ کے متعلق

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ نے قول الجمیل میں اس عورت کا ذکر کیا ہے جو ان کے والد بزرگوار کی مرید تھیں اور ایک دم میں ہزار بار اثبات مجرد کیا کرتی تھیں۔
[2] سنہ ولادت ۹۷۱ھ وفات ۱۰۳۴ھ۔ عمر ۶۳ سال مزار سرہند شریف۔

رمایا تھا " میاں شیخ احمد آفتاب است وما ہمچو ستارگان دروے گم اند "۔ چنانچہ حضرت خواجہؒ نے جب آپ سے طریقۂ نقشبندیہ پر بیعت لی اور چند روز توجہ فرماکر اجازت عطا فرمائی تو خود بیعت لینے سے رک گئے اور اپنے تمام خلفاء اور مریدوں کو ہدایت فرمائی کہ " میاں شیخ احمد کے پاس جائیں اُن سے فیوضِ باطنی حاصل کریں اور ان ہی کی صحبت میں رہیں، ان کی موجودگی میں میرا بیعت لینا مناسب نہیں "! حقیقت میں آپ " پناہِ ملّت اسلام ورکنِ دینِ متین " تھے ! اور

آفتابِ سیادتِ ازلی　　　گوہرکانِ لطفِ لم یزلی

قدوۂ خلق وسیّدِ سادات　　　قبلۂ دین و زبدۂ ابرار!

صوفیائے سابقین رحمہم اللہ اجمعین نے صرف لطائف قلب وروح کی خبر دی تھی اور بعض نے لطیفۂ سِر کی بھی۔ مجدد الف ثانیؒ نے سینۂ انسانی میں پانچ لطائف کی خبر دی جو یہ ہیں:۔ <u>قلب، روح، سِر،</u> خفی، اخفیٰ ۔ اور ان تمام کے مقامات اور انوار کی نشان دہی کی ۔ اُن کی ایک مجمل گر واضح تشریح اس مکتوب سے ہوتی ہے جو خواجہ عبد الاحدؒ نبیرہ حضرت مجددؒ نے لکھا ہے ۔ اور جس کو شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص۹۱ تا ص۹۴ میں نقل کیا ہے ۔ فمن شاء فلیرجع الیہ

حضرت مجددؒ کی تحقیق کی رو سے انسان لطائف عشرہ سے مرکب ہے۔ ان سے پانچ کا تعلق ' عالمِ امر ' سے ہے اور پانچ کا ' عالمِ خلق ' سے ۔ عالمِ امر وہ عالم ہے جو امر کن سے پیدا ہوگیا اور عالمِ خلق وہ ہے جس کا ظہور بتدریج ہوا ہے ۔ عالمِ امر کا مقام فوق عرش ہے اور عالمِ خلق کا تحت عرش ۔ لطائف عالم امر یہ ہیں ۔ قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ اور لطائف عالمِ خلق یہ ۔ نفس، خاک، آب، باد و نار ۔ ' دائرہ امکان ' سے مراد یہی دو عالم ہیں ۔ اس کا نصف عالی بالائے عرش اور نصف سافل تحت عرش ہے ۔ اس دائرہ کی صورت یہ ہوگی ۔

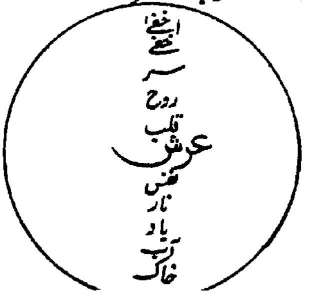

دثنیت کی کشمکش خود مسیحی فرقوں کی باہمی نزاع میں بدل گئی۔ شہر اسکندریہ میں خدائے پدر (نعوذ باللہ منہا) اور مسیح کے تعلق باہمی کا مسئلہ پیدا ہوا۔ اس کے سلجھانے کی کوشش میں نئے مسئلے پیدا ہوتے گئے۔ چوتھی صدی کے اختتام پر ایک اور مسئلہ پیدا ہوا کہ اگر مسیح علیہ السلام میں لاہوتیت اور ناسوتیت بدرجۂ کمال موجود ہیں تو پھر شخص واحد میں ان کا امتزاج کس طرح ممکن ہے۔ انطاکیہ کے پادری حضرت عیسیٰؑ کی ناسوتیت کے شدت سے قائل تھے۔ انھیں میں سے نسطوریوس تھا جو ۴۲۸ء میں قسطنطنیہ کا بشپ مقرر ہوا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو اسے وہاں "مادر خدا" (THEOTOKOS) کا عقیدہ ملا۔ نسطوریوس نے اس کے خلاف شدت سے اعتراض کئے اور اس سے زیادہ شدت سے اس کے مخالف سائرل نے ان اعتراضات کی مخالفت کی۔ اس نزاع کے تصفیہ کے لئے مختلف مقامات پر مذہبی کونسلیں منعقد ہوئیں۔ انجام کار نسطوریوس ہی ملعون اور خارج از کلیسا قرار دیا گیا اور اس کے متبعین رومن سلطنت کو خیرباد کہنے اور ایران میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ نسطوریت کے مخالفین میں سائرل کا جانشین دیسقورس خاص طور پر قابل ذکر ہے، اس نے حضرت مسیحؑ میں دو فطرتوں کے بجائے "ممزوج فطرت واحدہ" پر زور دیا اور اس طرح عیسائیوں کے اس فرقہ کی بنیاد پڑی جو مونو فزائٹ (MONOPHYSITES) کہلاتے ہیں اور چونکہ اس عقیدے کا سرگرم مبلغ یعقوب البرذعانی تھا اس لئے یہ فرقہ عربوں میں "یعقوبیہ" کے نام سے مشہور رہے۔ اس مذہبی نزاع میں مسلمان قارئین کے لئے جو حضرت عیسیٰؑ اور بی بی مریمؑ کو محض بشر سمجھتے ہیں کوئی تفصیل دلچسپ ہو گی تاہم اس تاریخی تصریح سے جس کی شہادت میں یورپین مصنفین کے حوالے موجود ہیں دو تین باتیں ثابت ہیں :۔

۱۔ پانچویں صدی مسیحی کے نصف اول میں قسطنطنیہ کے اندر "مادر خدا" (THEOTOKOS) کا عقیدہ عام تھا اور اگرچہ انطاکیہ کے پادری (نسطوریوس کے پیشرو) اس کے مخالف تھے تاہم اسکندریہ کے اساقفہ اس کے ہمنوا تھے بلکہ بعد میں تو اس کے سرگرم مبلغ و علمبردار بن گئے تھے۔

ب۔ اسی عقیدہ کی مخالفت کی وجہ سے نسطوریوس ملعون اور خارج از کلیسا قرار دیا گیا اور نساطرہ ایران میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ ظاہر ہے جس عقیدے کی مخالفت میں نساطرہ نے جلاوطنی کی مصیبت برداشت کی تھی وہ کسی نہج پر بھی اس کا اقرار نہیں کر سکتے تھے۔

ج۔ اسی عقیدے کے اندر مبالغے کے نتیجے میں یعقوبی فرقہ ظہور میں آیا تھا لہٰذا وہ کسی طرح اس کا منکر نہیں

ہو سکتا تھا بلکہ اس عقیدے کا سرگرم مبلغ تھا۔

غرض ظہور اسلام کے وقت صورت حال یہ تھی کہ نصاریٰ کا نسطوری فرقہ ایران میں تھا اور یعقوبی فرقہ مصر میں۔ کلیسائے مصر ہی کی بالادستی میں حبش کا کلیسا تھا اور وہیں سے فوجی مہم یمن بھیجی گئی تھی لہذا یمن میں یعقوبی نصاریٰ کی نوآبادیاں تھیں۔ خود عرب کا ملک یعقوبی کلیسا کے حیطۂ اقتدار میں تھا۔ چنانچہ اتناسیوس اور یعقوب لرما جو دونوں یعقوبی المذہب تھے، ان کا شاگرد جرجیس ۶۸۶ء میں عرب کا اسقف مقرر ہوا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو معارف دسمبر ۱۹۵۷ء ص ۴۳۶)۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ چھٹی صدی اور ساتویں صدی مسیحی میں جو بعثت اسلام کا زمانہ ہے عرب دنیا صرف نصاریٰ کے یعقوبی فرقہ سے واقف تھی جو "مادر خدا" کے عقیدے کے سرگرم قائل تھے اسی پس منظر میں آیۂ کریمہ

"اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

...... الآیہ کا نزول ہوا۔ لہذا مکہ اور مدینہ زادھما اللہ شرفاً کے نصرانی ہوں یا شام و یمن کے نصرانی الوہیت مریم کا کس طرح انکار کر سکتے تھے۔ اسی لئے انھوں نے اس عقیدے کی صحت انتساب پر کوئی اعتراض نہیں کیا حالانکہ انھیں مسلمانوں کے ساتھ مذہبی مناظرے کی پوری آزادی تھی جیسا کہ فان کریمر لکھتا ہے :۔

"THE TOLERATION ACCORDED TO THE CHRISTIANS BY THE CALIPHS MUST OF NECESSITY HAVE ENCOURAGED FREQUENT INTERCOURSE WITH MUSLIMS." (VON KREMER: CONTRIBUTION TO THE HISTORY OF ISLAMIC CIVILIZATION, P. 59)

اسی طرح نکلسن لکھتا ہے :۔

" MUSLIMS AND CHRISTIANS EXCHANGED IDEAS IN FRIENDLY DISCOURSE OR CONTROVESIALLY." (NICHOLSON: LITERARY HISTORY OF THE

ARABS P.221)

بہر حال صدرِ اسلام میں جن عیسائیوں سے مسلمانوں کا سابقہ پڑا وہ اس عقیدے (الوہیت مریمؑ) کے انکاری نہیں تھے بلکہ اقراری تھے صرف اتنا کہتے تھے کہ "یہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا حکم ہے"۔ چنانچہ جب سُدّی نے اس آیت کریمہ کے پس منظر (شانِ نزول) کو متعین کرنا چاہا تو جن نصرانی علماء سے انھوں نے تحقیق کی، انھوں نے یہی بتایا کہ "ہاں مسیحی لوگ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر تشریف لیجانے کے بعد سے الوہیت مسیح اور الوہیت مریم کے قائل ہیں کیونکہ بقول ان علماءِ نصاریٰ کے "خود مسیح علیہ السّلام نے انھیں اس کا حکم دیا تھا:

لیکن عباسی خلفاء کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد جندی سابور (ایران) کے نسطوری اطباء و حکماء دربارِ خلافت پر اور اسی طرح علمی سوسائٹی پر چھاگئے۔ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ "الوہیت مریم" (THEOTOKOS) ہی کے عقیدے کی مخالفت کے جرم میں وہ خارج از مذہب اور جلاوطن کئے گئے تھے۔ اس لئے وہ کسی طرح اس کا اقرار نہیں کر سکتے تھے۔ انھیں نسطوری حکماء و اطباء سے علماءِ دربار کا (جن کی بہت بڑی اکثریت معتزلی المذہب اور جہمی العقیدہ تھی) سابقہ رہا۔ اُنھوں نے اپنے مخصوص فرقہ ورانہ مصالح کی بناء پر نساطرہ کے اس "عدم اقرار" پر اتفاق کرلیا کیونکہ اس طرح وہ اپنے مخالفین (اہل السنّت والجماعت) کے موقف کو نصرانی الاصل ہونے کا طعنہ دے سکتے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

اسلام میں تعطیل کی بدعت یہودیوں سے آئی۔ پہلا مسلمان جس نے اس بدعت کا آغاز کیا جعد بن درہم تھا، جسے خالد بن عبداللہ القسری نے صفاتِ باری کے انکار کی پاداش میں قتل کیا۔ جعد بن درہم کا شاگرد جہم بن صفوان تھا جو اس بدعت کا سرگرم مبلغ تھا چنانچہ عبدالقاہر بغدادی نے لکھا ہے:۔

"وامتنع من وصف اللہ تعالیٰ بانہ	(جہم) اللہ تعالیٰ کی اس طور پر توصیف سے منع
شئی او حیّ او عالم او مرید وقال	کرتا تھا کہ وہ شے ہے یا زندہ ہے یا عالم ہے یا
لا اصفہ بوصفٍ یجوز اطلاقہ	ارادہ کرنے والا ہے۔ وہ کہتا تھا میں اللہ تعالیٰ
علی غیرہ"۔	کو کسی ایسی صفت سے متصف نہیں کرتا جس کا
....	اطلاق غیر اللہ پر جائز ہو۔

اُس کے تشدد و مبالغہ کی بنا پر یہ عقیدہ ہی "جہمیت" اور "تجہم" کہلانے لگا۔ جہم کا شاگرد بشر بن غیاث المریسی اور اس کا شاگرد احمد بن ابی اداؤد تھا جو معتزلہ دربار کا رئیس تھا۔ ان لوگوں کی سعیِ پیہم سے "نفی صفات باری" کا فتنہ عام ہوگیا۔ اپنے قول کی تائید میں معتزلہ یہ کہتے تھے کہ "صفاتِ باری" کا عقیدہ نصاریٰ کی تثلیث کا چربہ ہے، اس لئے کفر ہے چنانچہ شرح المواقف میں ہے

"احتج المعتزلة على نفى الصفات	صفاتِ قدیمہ جنھیں اشاعرہ ثابت کرتے ہیں اُن کے
القديمة التى اثبتها الاشاعرة	انکار پر معتزلہ کی دلیل یہ ہے کہ قدما رکثیرہ کا عقیدہ
بان القول بقدماء متعددة كفر	بالاجماع کفر ہے اور نصاریٰ کے کفر کی وجہ صرف
اجماعاً والنصارىٰ انما كفروا لما	یہی تھی کہ انھوں نے ذاتِ باری کے ساتھ تین
اثبتوا مع ذاته تعالىٰ صفاتا اى	صفاتِ قدیمہ کو ثابت کیا جنھیں وہ اقانیم کہتے
اوصافاً ثلثة قديمة سموها اقانيم	ہیں..... اور وہ علم، وجود اور حیات ہیں۔
..... هى العلم والوجود والحياة	وہ وجود کو (اب باپ) سے حیات کو روح القدس
وعبروا عن الوجود بالاب وعن الحياة	سے اور علم کو کلمہ (ابن یا بیٹا) سے تعبیر کرتے
بروح القدس وعن العلم بالكلمة	ہیں۔ پس جب عیسائی ذاتِ باری کے علاوہ
فكيف لا يكفر من اثبت مع ذاته	تین صفات قدیمہ ثابت کرنے کی بنا پر کافر ہوگئے
تعالىٰ سبعة من الاوصاف القديمة	تو وہ لوگ جو ذاتِ باری کے ساتھ سات
المشهورة او اكثر".	مشہور یا اس سے زیادہ صفات قدیمہ ثابت
. . . .	کرتے ہیں کس طرح کافر نہ ہوں گے۔

چنانچہ عباد بن سلیمان، امام عبداللہ بن محمد بن کلاب القطان کو (جو تیسری صدی میں فرقہ اہل السنت والجماعت کے متکلم تھے اور جن سے اس کے مناظرے ہوا کرتے تھے) نصرانی کہا کرتا تھا کیونکہ وہ معتزلہ کے علی الرغم قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق مانتے تھے۔ ابن الندیم لکھتا ہے:۔

ابن كلاب ..... وله مع عباد بن   ابن کلاب ..... عباد بن سلیمان کے ساتھ